بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

گذشتہ ماہ ان صفحات میں ہم نے جماعت اسلامی کے ارکان، ہمدردوں اور بہی خواہوں کی خدمت میں چند گزارشات پیش کی تھیں۔ اس مرتبہ ہم چند باتیں ملک کے غیر جانبدار حضرات اور جماعت اسلامی کے مخالفین سے بھی کہنا چاہتے ہیں۔ ہم بارگاہِ خداوندی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ علیم و خبیر ذات ان نازک حالات میں انہیں سمجھ بوجھ عطا کرے اور وہ محض ضد، یا مفاد پرستی میں اندھے ہو کر کوئی غلط اقدام نہ کر بیٹھیں۔

پہلے گروہ سے ہم بڑے احترام کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے ضمیر کو ٹٹولے اور یہ معلوم کرے کہ جماعت اسلامی کے معاملے میں وہ غیر جانبدار ہی سہی مگر کہیں اسلام کے معاملے میں بھی وہ غیر جانبدار تو نہیں ہو گیا؛ جماعت اسلامی کو اگر بعض لوگ پسند نہیں کرتے یا اس کے کسی طرزِ عمل اور اس کی کسی روش سے انہیں اختلاف ہے تو انہیں اس کا پورا حق ہے، مگر انہیں دیکھنا چاہیے کہ اُن کی اس ناپسندیدگی اور ان کے اس اختلاف سے کہیں کفر و الحاد کو تو فائدہ نہیں پہنچ رہا؛ تاریخ میں اس قسم کی غیر جانب داری یا دوسرے لفظوں میں عافیت کوشی سے قوموں اور ملکوں کو شدید نقصانات پہنچے ہیں بلکہ بے شمار مملکتیں تباہ ہوئی ہیں۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب دو گروہ بر سر پیکار ہوتے ہیں تو بعض لوگ جنہیں دونوں گروہوں سے کچھ نہ کچھ اختلافات ہوتے ہیں وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اُن دونوں کے ٹکرانے سے اُن کی قوت کمزور ہو گی اور عافیت پسند اور غیر جانبدار گروہ کو آگے بڑھنے اور اقتدار حاصل کرنے

کے مواقع حاصل ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ دونوں گروہوں کے بارے میں بڑے چھبتے ہوئے الفاظ میں نفرین بھیجتے رہتے ہیں۔ کبھی ایک کی خامی بیان کر دیتے ہیں اور کبھی دوسرے کے طرزِ عمل سے شکایت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ "ثالث بالخیر" بن کر تماشہ دیکھتے ہیں اور دونوں گروہ جب ٹکرا ٹکرا کے پاش پاش ہو جاتے ہیں تو پھر وہ میدان میں اُتر کر اس پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جس طرزِ عمل کو یہ "ثالث بالخیر" طبقہ بظاہر اعتدال پسندی اور غیر جانبداری کی روش خیال کرتا ہے اور اپنے خیال میں جسے وہ ملک و قوم کی خدمت سمجھتا ہے وہ درحقیقت عافیت کوشی اور مفاد پرستی کی روش ہے جو قومی اور ملکی نقطۂ نظر سے بڑی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ روش عاقبت نا اندیشی کے اعتبار سے کچھ اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ کسی امن پسند شہری کے مکان پر چند ڈاکو حملہ آور ہو کر اس کی اولاد کو قتل کرنا اور اُس کے مال کو لُوٹنا شروع کر دیں اور اہلِ خانہ اگر ڈاکوؤں کی مزاحمت پر آمادہ ہو جائیں تو آس پاس کے پڑوسی اس خونی ڈرامہ کو بڑے ٹھنڈے جذبات کے ساتھ دیکھتے رہیں اور بڑے نصیحت آمیز لہجے میں یہ آواز بلند کرتے رہیں کہ آپ لوگوں کو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ تمہاری انتہا پسندانہ روش سے خون خرابہ ہونے کا خطرہ ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ ایک ایسی نصیحت ہے جس سے "ثالث بالخیر" وقتی طور پر "ترفّع" کا کیف اور غیر جانبداری سے حاصل ہونے والی عارضی عافیت حاصل کر سکتا ہے مگر اس طرزِ عمل سے وہ نہ تو کسی ظالم کا ہاتھ روک سکتا ہے اور نہ مظلوم کو ظلم سے بچا سکتا ہے اور نہ خود اپنے آپ کو زیادہ دیر تک ظلم سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ظلم ایک اندھی بہری قوت ہے۔ وہ جب ایک مرتبہ میدان میں نکل پڑتی ہے تو پھر اس کی تاخت کسی حد پر جا کر رک نہیں جاتی بلکہ ایک کو تختۂ مشق بنا چکنے کے بعد دوسرے کی طرف بڑھتی ہے، یہاں تک کہ کوئی اس کی دست برد سے بچا نہیں رہ جاتا۔ ظلم کو روکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اسے ایک طاقت بن کر سرگرمِ عمل ہونے سے پہلے ہی روک دیا جائے۔ لیکن اگر استبداد کا یہ بے حس انجن ایک مرتبہ حرکت میں آ کر لڑھکنا شروع کر دے تو پھر اس کی روک کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا بلکہ جو بھی اس کی راہ میں حائل ہوتا ہے وہ خود بھی اُس کی لپیٹ میں آ کے ہلاک ہو جاتا ہے۔

انسان کے سفلی جذبات میں سب سے اسفل جذبہ ظلم ہے جو بہت سے دوسرے ناپاک اور مذموم جذبات مثلاً خود غرضی، خود پسندی، حسد، غرور و تکبر، انسانیت سے نفرت، جذبۂ تعمیر کے فقدان، پست ہمتی اور بزدلی سے عبارت ہوتا ہے۔ آدمی کے اچھے اور بُرے جذبات کے مابین کچھ عرصہ تک کشمکش جاری رہتی ہے مگر بیماری کے جراثیم کی طرح جب بُرے جذبات اچھے احساسات پر غالب آجاتے ہیں تو اُس کا دل جذبۂ رحم سے یکسر خالی ہو جاتا ہے اور اسے ظُلم کی تاریکی پُوری طرح گھیر لیتی ہے۔ پھر یہ شخص اُن بُرے جذبات کے ساتھ لوگوں کو اپنے ظلم کا تختۂ مشق بناتا ہے۔ جس گروہ کے دل لطیف احساسات کے مولد و مسکن ہونے کے بجائے جبر و استبداد کے ظلمت کدے ہوں اور جس کے افراد کو ہمیشہ ایک ہی فکر دامن گیر رہتی ہو کہ کسی طرح اپنے مخالفین کو بے دردی کے ساتھ دُنیا سے مٹا دیا جائے اُس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ نصیحت اور بھلائی کی کوئی بات سُننے پر آمادہ ہوگا پرلے درجہ کی سادگی ہے۔

بھلائی کی بات تو اُن لوگوں کے قلب و دماغ پر اثر کرتی ہے جو انسانیت کے جوہر سے یکسر محروم نہ ہو چکے ہوں۔ اور اس جوہر کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کو نیست و نابود کرنے کے درپے نہیں ہوتا بلکہ انہیں ترغیب و تلقین اور معقول اور شائستہ انداز میں، دلائل کی قوت کے ساتھ اپنا ہمنوا بناتا ہے۔ مگر جو لوگ اس صحیح روش کو چھوڑ کر جلاؤ، گھیراؤ کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے کا عزم رکھتے ہوں اُن سے ملک و ملّت کو بچانے کی صورت بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ رائے عامہ کو اس قسم کے ظالمانہ اور انسانیت کُش طرزِ عمل کے خلاف بیدار کیا جائے اور ظلم و استبداد کے ان اٹھتے ہوئے طوفانوں کو فرو کرنے کے لیے قوم کو تیار کیا جائے۔

اگر اس اندھی جارحیت اور اس کے خوفناک عزائم اور اس کے رُوح فرسا اور المناک نتائج سے عوام کو بروقت آگاہ کرنا اور اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے انہیں آمادہ کرنا غیر اعتدال پسندانہ روش ہے تو پھر اعتدال پسندانہ روش تو یہی ہو سکتی ہے کہ ظالم کو ظلم کی کھُلی چھٹی دے دی جائے تاکہ وہ جس طرح چاہے "مشقِ ناز" کرتا رہے اور کوئی آمادہ اس پر نفرین بھیجنے والی اور کوئی ہاتھ اس کا ہاتھ روکنے والا نہ رہے اور عوام بڑی بے چارگی اور بے بسی مگر مکمل خاموشی کے ساتھ اپنی بربادی کو دیکھتے رہیں۔ اگر یہ طرزِ عمل ہی بعض لوگوں کے نزدیک اعتدال کی راہ ہے تو ہم پُورے وثوق کے ساتھ کہتے

ہیں کہ اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسری راہ نہیں۔

ایک ملک نہیں بلکہ پورا شرقِ اوسط اسی راہ پر چل کر تباہ و برباد ہوا ہے اور ابھی مزید ہو رہا ہے۔ وہاں جو خونی ڈرامہ کھیلا گیا ہے اس کے سارے مناظر اسی اندازِ فکر کی بھیانک تصویر پیش کرتے ہیں ان سارے ممالک میں اسلام کا نام تو لیا جاتا تھا مگر اسلام کسی معاشرے کو جن رُوحانی، اخلاقی اور دنیوی برکات سے فیض یاب کرتا ہے، یہ ممالک کافی حد تک اُن سے محروم تھے۔ اس کی وجہ برسرِ اقتدار طبقوں کی غیر اسلامی روش تھی۔ ان لوگوں نے اسلام کو استحصال کا ایک ذریعہ بنا رکھا تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً اسلام سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار تو کرتے رہتے مگر اسلام اپنے ماننے والوں سے جس ایثار اور خلوص، جس ضبطِ نفس، جس خدا خوفی اور پاک بازی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جس گہری لگن کا مطالبہ کرتا ہے اس کی کوئی جھلک اُن کی عملی زندگی میں نظر نہ آتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلم سوسائٹی اسلام کے ان جھوٹے دعویداروں سے بدظن ہو گئی۔ اس خلا کو بھانپتے ہوتے اہلِ مغرب نے ان ممالک میں اپنے باطل افکار و نظریات کو پھیلانا شروع کر دیا۔ اسلامی تعلیمات سے ناآشنا اور اسلام کے نام پر ریشہ دوانیوں سے آشنا نوجوانوں کو جب یورپ میں پڑھنے اور تربیت پانے کے مواقع ملے تو انہوں نے مغربی تہذیب سے گہرے اثرات قبول کیے، اور وہ مشرقی ممالک میں واپس آکر ان باطل نظریات کے پُرجوش مبلغ اور داعی بن گئے۔ ان کے اِس طرزِ عمل کی ایک بڑی وجہ اُن کی اپنی ذہنی اور عملی آمادگی بھی تھی۔ یورپ میں کچھ مدت رہنے کے بعد انہیں بعض ایسی قبیح عادات لگ چکی تھیں جنہیں ایک مسلم معاشرہ کسی طرح بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف یہ نوجوان ان بُری عادات کو ترک کرنے پر بھی آمادہ نہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ اُونچے گھرانوں کے چشم و چراغ تھے اس لیے جب انہوں نے مغربی ممالک سے واپس آکر اونچے مناصب سنبھالے تو انہوں نے اس امر کی کوشش کی کہ معاشرے کے اندر ایسا بگاڑ پیدا کیا جاتے جو اُن کے اپنے اخلاقی بگاڑ کو بلا چون و چرا قبول کرلے۔ ادھر مغربی ممالک نے ان مشرقی "صاحب بہادروں" کی پُوری قوت سے پُشت پناہی شروع کر دی۔ اور اس طرح مسلم ممالک میں ایک خوفناک سازش اور کشمکش کا آغاز ہوا۔ اہلِ مغرب نے مسلمان ممالک کو خود بھی جہاں تک ہو سکا تاخت و تاراج کیا مگر ان کی زیادہ تر کوشش اس بات پر مرکوز رہی کہ ان ممالک کے

نوجوانوں کے ذریعے اُن کے معاشرے میں نقب لگائی جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر طرح کی مدد پہنچائی۔ مغرب کے فکری اسلحہ خانہ سے انہیں باطل افکار و نظریات بھی دیئے، امورِ مملکت میں انہیں فیصلہ کن حیثیت بھی دلوائی اور مال و زر سے اُن کی دستگیری بھی کی۔ وہ بالکل صحیح طور پر یہ سمجھتے تھے کہ جس کام کو اہلِ مغرب دو سو سال کے لمبے عرصے میں براہِ راست تسلط کے باوجود پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ناکام رہے ہیں اس کام کو مغرب کے پرستار نوجوان جلد از جلد کامیابی کے مراحل تک پہنچا دیں گے۔

مغربی افکار کے حامل ان لوگوں کو مسلم معاشرے نے گو ابھی تک قیادت کے لیے قبول نہیں کیا ہے لیکن چونکہ اُن کی پُشت پر مغرب کی پوری قوت موجود ہے اس لیے اُن کے خیالات، ان کی شخصیتوں اور اُن کے کاموں کو بڑی عیاری کے ساتھ عوام کے سامنے لایا جاتا ہے جیسے کہ وہ مسلم قوم کی کوئی بہت بڑی قوت ہیں۔ پھر انہیں کسی معاشرے میں غیر معمولی طور پر مؤثر اور صاحبِ اختیار بنانے کے لیے نہ صرف اُن کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں بلکہ عوام کو دہشت زدہ کرنے کی انہیں باقاعدہ تربیت بھی دی جاتی ہے کہ "خاموش اکثریت" ان کی ظاہری قوت سے خوفزدہ ہو کر اپنا سارا وزن اُن کے پلڑے میں ڈال دے۔ یہ جبر و تشدد کے نعرے اور پروگرام کسی وقتی ہیجان کا نتیجہ نہیں بلکہ استبداد کو مسلط کرنے کا باقاعدہ ایک منصوبہ ہے۔

آج دنیا کا کونسا ایسا ملک ہے جہاں مسلم معاشرے کی عظیم اکثریت اور مغربی تہذیب کے چند سرپھرے پرستاروں کے درمیان یہ ہولناک جنگ برپا نہیں ہے۔ مصر اسی کشمکش سے تباہ ہوا۔ سوڈان، شام، عراق، الباینا غرض دنیا کے سارے ممالک کو اس آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ان کا جو حشر ہوا ہے اور جو ابھی ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اسے دیکھنے کی کوئی حسّاس دل تاب نہیں لا سکتا۔ اقلیت کو اکثریت پر اس کی منشا و مرضی کے علی الرغم مسلّط کرنے اور اسے اپنے دلپسند نہج پر زبردستی گھسیٹنے کے جنون نے بھائی کو بھائی کے خلاف صف آرا کر دیا ہے اور ایک ہی معاشرے کے افراد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن کر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو دو سو سال کی غلامی نے اس قدر تباہ و برباد نہیں کیا تھا جو آج آپس کی اس مجنونانہ کشمکش نے کیا ہے۔ اس باہمی سر پھٹول کی وجہ سے مسلم سوسائٹی کی قوتیں ضائع ہوئی ہیں۔ اور اس کشمکش کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ اس میں ایک محدود سا طبقہ مسلم قوم کی اس رگ پر تیشہ چلانے کے درپے ہے جو رگِ جان کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ان مسلمان ممالک کو اس کشمکش سے آخر کیا فائدہ ہوا ہے؟ کیا اُن کی قوت بڑھی ہے؟ کیا اُن کی حیثیت بہتر ہوئی ہے، کیا دنیا میں ان کا سیاسی دبدبہ قائم ہوا ہے؟ یہ سارے ممالک جو اس کش مکش کی آماجگاہ بنے ہیں ان میں جان و مال، عزت و آبرو کے ناقابلِ تصور زیاں کے عُلاوہ معاشی، سیاسی اور اخلاقی طور پر زبردست تباہی ہوئی ہے۔ خوف و ہراس کی وجہ سے سرمایہ کاری میں غیر معمولی کمی ہوئی ہے جس سے عوام کی معاشی حالت دن بدن دگرگوں ہوتی جارہی ہے۔ وہ فوج جس پر ان ممالک کے عوام بڑا ایثار کر کے بے پناہ دولت خرچ کر رہے ہیں اور جس سے وہ بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ انہیں دشمنوں کے حملوں سے بچائے گی وہ خود ان ایثار کرنے والوں کے خلاف صف آرا ہے۔

اسلام، اور اس کی اخلاقی اور دینی روایات نے مسلم معاشرے کے اندر ایک تہذیب اور وحدتِ فکر پیدا کر رکھی تھی۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کا محافظ تھا۔ مگر آج باطل ازموں کے پرستاروں نے مسلم معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کا دمساز اور رفیق بنانے کے بجائے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ یُوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر فرد دوسرے کی جان لینے کے درپے ہے اور یہ مسلم معاشرہ جو کبھی شرافت اور باہمی اخوت کی بنا پر دنیا میں ممُتاز تھا آج ایک ایسے خوفناک جنگل کا نقشہ پیش کرتا ہے جو درندوں سے آباد ہے۔

مشرق اوسط کو پُوری طرح برباد کر دینے کے بعد اب یہ باطل قوتیں پاکستان کی طرف متوجہ ہوئی ہیں، کیونکہ یہ اُن کے نزدیک اسلام کا سب سے مضبوط حصار رہا ہے، جب تک یہ دینی اعتبار سے پاش پاش نہیں ہو جاتا مادیت اور مغربی تہذیب کے عالمگیر تسلط کا خواب اُن کے خیال میں شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کر کے یہاں لا ڈالا ہے۔ اور جو نتائج

انہوں نے دوسرے مسلم ممالک میں پچاس برس کی محنتِ شاقہ کے بعد حاصل کیے ہیں وہ انہیں اس ملک میں دو چار برسوں میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ان کے نقطۂ نظر کے مطابق پاکستان اُن کے لیے سب سے بڑا چیلنج بھی ہے۔ اور اگر وہ اپنے عزائم میں کامیاب ہو جائیں تو سب سے بہتر نتائج بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ ان کے لیے سب سے زبردست چیلنج اس بنا پر ہے کہ دنیا میں یہ واحد ملک ہے جو اس بیسویں صدی میں قومیت کے مغربی تصور کے دورِ عروج میں پُورے سیاسی شعور کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا۔ اس بنیاد پر جس قدر شکوک و شبہات اور جس قدر بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب ماضی میں پیدا ہوئیں، مگر مسلمانوں نے عقلی و نقلی دلائل اور عزم راسخ اور جوشِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان قوم کے بارے میں یہ سارے خیالات اوہام باطل ہیں اور اس کی قومیت کی بنیاد دین کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر ان باطل قوتوں کو اس امر کا بھی پُوری طرح احساس ہے کہ اس ملک میں سفید سامراج اور سرمایہ داری کے لیے کوئی گوشۂ التفات موجود نہیں۔ انگریز نے مسلم قوم کے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں اور اس پر جس قسم کے مظالم ڈھائے ہیں اور اسے جس وحشتناک انداز سے برباد کیا ہے۔ یہ سارے زخم ابھی تک اس کے سینے میں تازہ ہیں اور اُن سے برابر خون رس رہا ہے۔ اس کے علاوہ جس قسم کے لاینحل مسائل پیدا کر کے انہوں نے ملک کو چھوڑا ہے اور جانے کے بعد بھی اپنے بھائی بندوں سے مل کر جس قسم کی کھلی اور چھپی سازشیں کرنے میں وہ ابھی تک مصروف ہیں اُن کی موجودگی میں اس بات کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہو سکتا کہ سفید سامراج کو یہاں قدم جمانے کا کوئی موقع مل سکے گا۔ یہ سامراج اپنے ساتھ جو معاشی نظام سرمایہ داری کی صورت میں لایا ہے اس کی تباہ کاریوں سے ایک فرد بھی ناآشنا نہیں بلکہ قوم کی عظیم اکثریت اس کے زخموں سے کراہ رہی ہے۔ ملکی دولت کے اسّی فیصد کا صرف بیس خاندانوں میں ارتکاز، غیر ملکی آقاؤں کی خدمت کے صلے میں جاگیرداریوں کا قیام، سٹہ، سُود خوری اور دوسرے ناجائز ذرائع کی مدد سے دولت کی غیر عادلانہ بلکہ انتہائی غیر منصفانہ تقسیم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غربت و افلاس کے بڑے المناک مناظر کو اس ملک کے رہنے والے آخر کس طرح بھلا سکتے ہیں۔

اس ملک کی سو فیصد آبادی سفید سامراج اور اس کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام کو سرتاپا لعنت سمجھتی ہے یہاں ایک لاکھ میں سے ایک متنفّس بھی ایسا نہیں مل سکتا جو اس لعنت کو اپنے

حق میں کسی طرح بھی خیر سمجھتا ہو۔

اہلِ مغرب کا اگر یہاں تسلط قائم ہو سکتا ہے تو سُرخ سامراج کی مدد سے اشتراکیت کی صورت میں ہی قائم ہو سکتا ہے۔ سُرخ سامراج یہاں ابھی تک آزمایا نہیں گیا اس لیے بعض لوگ اس کی تباہ کاریوں کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔ اشتراکیت چونکہ ایک ایسی انقلابی قوت ہے جس کے ذریعے اس ملک کے مروجہ نظام کو تہ و بالا کیا جا سکتا ہے اس لیے بعض انجان اس کی اس غیر معمولی قوت سے خیر کی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سیلاب اس ملک کی ساری غلاظتوں کو اپنے ساتھ بہالے جائے گا۔ مگر انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اس کے آنے سے غلاظتیں تو شاید کم ہی دُور ہوں البتہ اخلاقی اور روحانی اقدار کا یکسر خاتمہ ہو جائے گا۔ اور پھر یہ سیلاب اتنی قوت، اتنی تندی و تیزی اور اتنے خوفناک گردابوں کے ساتھ آئے گا کہ اُن کی گرفت سے نکلنا قریب قریب ناممکن ہوگا، پُورا معاشرہ اس کے نیچے دب کر رہ جائے گا۔ اور عوام میں سرے سے یہ قوت و طاقت ہی نہ رہے گی کہ وہ اس کے بوجھ اور بھنور سے آزاد ہو کر سطح پر آئیں اور دُنیا کو اپنے مصائب اور اپنی محرومیوں سے آگاہ بھی کر سکیں۔

جماعت اسلامی اور دین کی علمبردار بعض دوسری جماعتوں کا گناہ صرف یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو سُرخ سامراج کے جلو میں آنے والے خطرات سے آگاہ کر رہی ہیں اور انہیں یہ بتا رہی ہیں کہ جن برائیوں کو ختم کرنے کے لیے تم اشتراکیت کی طرف لپک رہے ہو، سُرخ انقلاب کے بعد یہ ساری برائیاں جوں کی توں ایک مُستبد اور جابر آمریت کے زیرِ سایہ قائم رہیں گی اور پرورش پائیں گی۔ البتہ جو خیر اور بھلائی اسلام کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہے اس سے تم بالکل محروم کر دیئے جاؤ گے۔

یہ وُہ گناہ ہے جس کی وجہ سے جماعتِ اسلامی اور دوسری خادمِ دین جماعتوں پر غیظ و غضب کی آگ برسائی جارہی ہے۔ یہ کوئی اتفاقی حادثہ یا وقتی جوش نہیں بلکہ یہ کام شروع ہی سے ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت خوب سوچ سمجھ کر کیا جارہا ہے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آتے ہی ان باطل قوتوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا کہ دینی محاذ پر جماعت اسلامی ہی ایک ایسی قوت ہے جو اپنا ایک واضح پروگرام رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی ایک مضبوط تنظیم بھی رکھتی ہے۔ اس لیے سب سے

زیادہ یلغار اسی کے خلاف شروع ہوئی۔ ہر حکومت نے اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھا اور ہر بہانے اسے دبانے اور مٹانے کی کوشش کی۔ اسی طرح اس ملک کی ہر باطل قوت نے جماعت اسلامی کو عوام میں بدنام کرکے اس کی طاقت کو توڑنے اور اس کا شیرازہ منتشر کرنے کی سعی کی۔ ان قوتوں کو جماعت اسلامی کے وزن کا اچھی طرح اندازہ رہا ہے اور وہ اس حقیقت سے بھی پوری طرح آگاہ رہی ہیں کہ یہی جماعت اُن کے ناپاک عزائم کی تکمیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اگر وہ اسے رستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر وہ آسانی سے میدان مار لیں گی۔ جماعت کے خلاف یہ سارا غیظ و غضب ایک نہایت گہرے اندرونی اضطراب کا پتہ دیتا ہے۔

عافیت کوشی کے سکون کو برقرار رکھنے اور غیر جانبداری کے بلند مقام پر فائز رہ کر اپنے آپ کو گالیوں اور الزامات کے چھینٹوں سے بچانے کے لیے یہاں کی "خاموش اکثریت" اور بعض سیاسی جماعتیں جو طرزِ عمل چاہیں اختیار کریں مگر انہیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اگر وہ اسلام کے معاملے میں مخلص ہیں اور وہ یہاں اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظام کے نفاذ کو برداشت نہیں کر سکتیں تو وہ ان گالیوں اور الزام تراشیوں سے بھی کبھی نہیں بچ سکتیں۔

اس انداز پر سوچنے والے آج اگر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہوتے اس کشمکش سے بے تعلق رہنا چاہتے ہیں تو رہیں۔ ہم اُن سے قطعاً کوئی تعرض نہیں کرنا چاہتے۔ مگر ہمیں جس طرح اس بات کا یقین ہے کہ شام کو ڈوبنے والا سورج کل صبح بالضرور طلوع ہوگا اس سے زیادہ یقین اور وثوق کے ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ظالموں کے ہاتھ سے اگر آج جماعت اسلامی محفوظ نہ رہے تو کل اُن کے گریبان بھی محفوظ نہ ہوں گے معاملہ سارا تقدیم و تاخیر کا ہے۔ ملک کے اندر اور باہر کی باطل قوتوں کو یہاں اسلام کی بیخ کنی کرنی ہے کیونکہ اسی ذریعہ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کا رشتۂ اخوت ٹوٹتا ہے اور خود مغربی پاکستان میں بھی علاقائی عصبیت ابھر کر اس کے شیرازہ کو منتشر کر سکتی ہے۔ اسلام کی بنیاد پر پاکستان کے وجود کے قائم رہنے سے مغربی سامراج اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل نہیں کر سکتا اگر اسے اس خطے میں اپنے استعماری عزائم کی تکمیل درکار ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سرزمین سے اسلام کو نکال دے۔

اپنے آپ کو ان باطل پرستوں کی دستبرد سے محفوظ سمجھنے والے لوگوں کو عافیت کے گوشوں سے ذرا باہر جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کی یورش کا انداز کیا ہے۔ یہ لوگ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی اور اسلام کے دوسرے بہی خواہوں کو آیا محض اس لیے ننگی گالیاں دیتے ہیں کہ انہیں ان سے کوئی معقول وجہِ شکایت ہے؟ یا یہ اُس شدید جھنجلاہٹ کا اظہار ہے جو انہیں اپنے مقصد کی راہ میں حائل ہوتا دیکھ کر اُن کے اندر پیدا ہوئی ہے؟

اگر وجہِ شکایت معقول ہو تو اس کے اظہار کا انداز بھی معقول اور شائستہ ہوتا ہے اور شکایت کو اسی دائرے تک محدود رکھا جاتا ہے جس کے بارے میں فی الواقع شکایت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں کسی فرد یا گروہ کو اپنے مقاصد کی راہ کا سنگِ گراں سمجھ لیا جائے تو پھر شکایت کا اظہار شرافت سے نہیں کیا جاتا بلکہ جھوٹ، فریب، افترا پردازی اور بدزبانی کی یورشوں سے کیا جاتا ہے۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی ایک لمحہ بھی ایسا گزرنے نہ پائے جس میں اپنے مخالف کو پوری طرح ذلیل و رسوا نہ کر دیا جائے۔

اس وقت بظاہر اس مجنونانہ عداوت اور دشمنی کا رُخ چند افراد اور حلقوں کی طرف ہے لیکن اگر ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عداوت اور دشمنی درحقیقت اس نظامِ حیات کے خلاف ہے جو اُن کے دلپسند نظام سے متصادم ہے۔ رائے عام کے خوف کی وجہ سے اُن میں ابھی اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اس نظام کے خلاف کھل کر کوئی بات کہہ سکیں۔ اس لیے وہ اپنے دل کی بھڑاس اُن جماعتوں اور افراد کو گالیاں دے کر نکالتے ہیں جو اُن کے نزدیک اسلام کی قوت ہیں اور جن کی وجہ سے اُن کے عزائم بروئے کار نہیں آرہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے کسی لمبی چوڑی تحقیق کی ضرورت نہیں، صرف چند پہلوؤں پر غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کیجیے کہ اگر ان لوگوں کو اسلام ہی عزیز ہے تو پھر یہ لوگ اسلام کے ساتھ دوسرے ازموں کی پیوندکاری یا اسلام کو دوسرے ازموں کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں کیوں کرتے رہتے ہیں؟ اس قسم کی کوششیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ یہ اسلام کو ایسا مکمل ضابطۂ حیات

نہیں سمجھتے جو ہر دور کے لیے صحیح اور برحق ہے۔ پیوندکاری کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب کوئی نظام ناقص ہو اور اُسے بہتر بنانے کے لیے کسی دوسرے نظام کے اصول اس میں شامل کرنے کی ضرورت پیش آتے۔ یا پھر کسی نظام کو وقت کے غالب نظاموں کے سانچے میں ڈھالنے کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لاشعور میں یہ بات موجود ہو کہ ہمارا اپنا نظام بوسیدہ ہو چکا ہے اور وہ وقت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔

دوسری چیز جس سے کسی تحریک کے رجحان کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ اُس کا طرزِ عمل ہوتا ہے۔ پاکستان میں تقریباً ساری سیاسی پارٹیاں اسلام کا نام لیتی ہیں، مگر عملی زندگی میں ان کی سعی و جہد دیکھنے سے اس حقیقت کا کھوج لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کے معاملے میں یہ کتنی مخلص ہیں۔ مثلاً اسلام کا نام لینے والی جن پارٹیوں کے جلوسوں اور اجتماعات میں رقص ہوتے ہوں، اور اپنے مخالفوں کو ننگی گالیاں دی جاتی ہوں اُن کی اسلام پسندی کا اندازہ تو ان کے افعال ہی سے ہو سکتا ہے۔

تیسری چیز کسی پارٹی کا وہ مزاج اور اندازِ فکر ہے جو اس کے کارکنوں کی سیرت و کردار کے اندر جھلکتا ہے۔ اگر کسی تحریک کا مزاج اسلامی ہوگا تو پہلی منزل پر اس کے کارکنوں کے دل میں شعائرِ دین کا احترام پیدا ہوگا۔ اور ان کے دل میں فرائضِ اسلام کی پابندی کا ذوق اور ولولہ بھی اُبھرے گا۔ لیکن اگر کسی تحریک کے کارکُن دین کے شعائر کا مذاق اڑاتے رہیں، فرائض سے گریزاں اور کبائر کے مُرتکب نظر آئیں تو اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اُن کے دل اسلام کے خلاف نفرت اور کدورت سے بھرے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے وہ شعائرِ دین کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ جس محفل میں نماز کا سوانگ رچا کر علانیہ شراب خوری کی جاتی ہو اور جس سے حاضرین لطف اندوز ہوتے ہوں اس کے متعلق یہ سوچنا کہ یہاں اسلام کے لیے عزت و احترام کا کوئی گوشہ موجود ہے، محض دیوانگی ہے۔

ہم نے اُوپر جن تین پہلوؤں کا ذکر کیا ہے وہ کوئی ایسے چھپے ہوئے حقائق نہیں جن سے ملک کی عام آبادی واقف نہ ہو۔ ہر شخص جو ذرا آنکھیں کھول کر چلنے کا عادی ہے اور معاملات کی معمولی سُوجھ بوجھ رکھتا ہے وہ انہیں آسانی سے دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ پھر ان حقائق کے سامنے آ جانے کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا بھی کوئی مشکل نہیں کہ ان سرگرمیوں کے پیچھے کونسے محرکات اور عوامل

کام کر رہے ہیں اور ان کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے اسلام اور مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا! اللہ تعالیٰ پاکستان اور اہلِ پاکستان کو اُن کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھے۔ لیکن ملک کے اندر جو سُرخ آندھیاں اُٹھ رہی ہیں وہ کسی بڑے خوفناک طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔ جو فرد یا گروہ اُن کی قوت اور اُن کی تباہ کاریوں کو محسوس نہیں کرتا یا ان سے اغماض برتتا ہے یا اُن کی روک تھام کے لیے جد و جہد نہیں کرتا اُسے کبھی بھی دانشمند اور ملک و ملت کا خیر خواہ نہیں کہا جا سکتا۔

ممکن ہے کہ دشمن غیر جانبداری کی روش اختیار کرنے والوں سے تعرّض نہ کرے لیکن انہیں یہ بات پُوری طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ اِس طوفان کی زد سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ یا تو یہ طوفان انہیں اپنے رُخ پر دھکیل کر لے جائے گا یا پھر اسلام کے پہلے حصار کو توڑنے کے بعد انہیں بھی بیخ و بُن سے اکھاڑ کر رکھ دے گا۔ اب یہ فیصلہ کرنا اُن کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے لیے کونسا انجام پسند کرتے ہیں؟ اگر ہوا کے رُخ کے مطابق چلنا ہی عینِ اسلام ہے اور ان کے اسلام سے محبت کے دعوے کا یہی منشا ہے تو پھر یہ اسلام وہ دین نہیں ہو سکتا جو تمام ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ لیکن اگر اس دین سے مُراد وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی اور انہیں باطل نظاموں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے تو وہ دین اپنا ایک مستقل وجود رکھنے کی وجہ سے ہر سانچے میں ڈھلنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا تو نوعِ انسانی سے مطالبہ یہ ہے کہ تم اپنے سارے معاملات کو اس کے مطابق ڈھال کر دنیوی اور اُخروی فلاح حاصل کرو۔ اس دینِ حق کو ماننے والے آخر باطل کی ٹکر سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں؟ اس معاملے میں غیر جانبداری عافیت کوشوں کو تصادم سے کس طرح بچا سکتی ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

اب ایک بات ہم اُن علماء سے بھی کہنا چاہتے ہیں جو دانستہ یا نادانستہ طور پر ان باطل پرستوں کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ ہم اُن سے بڑی دلسوزی کے ساتھ یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر سنجیدگی سے غور کریں اور یہ دیکھیں کہ ایک جماعت اور ایک شخصیت کے ساتھ اُن کی پرخاش انہیں کس مقام پر لے گئی ہے۔ عقل باور نہیں کر سکتی کہ ضد اور چڑ میں کوئی مسلمان اس سطح پر اُتر بھی سکتا ہے کہ اس

جماعت کے ہر کام اور اس کے سربراہ کی زبان و قلم سے نکلی ہوئی ہر بات میں کیڑے ڈالنا اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن بن جاتے اور اسی ایک کام میں وہ اپنا سارا وقت اور اپنی ساری صلاحیتیں کھپا دے۔ یہ اندازِ فکر اور طرزِ عمل ان لوگوں کو تو قطعاً زیب نہیں دیتا جو وارثانِ انبیاء کہے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان تو فطری طور پر حق پسند اور حق پرست ہوتا ہے۔ وہ دوستی اور دشمنی دونوں میں حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ جماعت اسلامی سے اگر آپ کو اختلاف ہے تو بیشک اس اختلاف کا اظہار کیجیے۔ اگر آپ کے اختلافات کی نوعیت اتنی شدید ہے کہ آپ اس کے ساتھ شامل ہو کر چل نہیں سکتے تو بیشک اپنے مقدس قافلے کو الگ چلائیے۔ اور اگر مخالفت بھی ضروری ہو تو دیانت اور شائستگی کی کسی حد کو ملحوظ رکھ کر مخالفت بھی کر لیجیے۔ لیکن اس بات پر ضرور غور کر لیجیے کہ کہیں جماعت کی دشمنی میں آپ ایسے کارواں کے ساتھ تو شریک نہیں ہو گئے جو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر و الحاد کی خوفناک وادیوں کی طرف دھکیل رہا ہے۔ جن لوگوں کے آپ شریکِ کار ہیں، جن کا ساتھ ہر معاملہ میں آپ دے رہے ہیں جنہیں ہر کام پر دنیا آپ کو شانہ بشانہ چلتے دیکھ رہی ہے، اسلام کے بارے میں ان کے نظریات کسی سے چھپے ہوتے نہیں ہیں۔ ان کی نجی زندگی اسلام کے ساتھ ان کے تعلق کی جیسی کچھ شہادت دیتی ہے، اور پبلک میں جس کردار کا وہ مظاہرہ کر رہے ہیں، اور جن مقاصد کو لے کر وہ اس ملک میں اپنی تحریک چلا رہے ہیں، یہ سب چیزیں بھی کوئی ایسا راز نہیں ہیں جو سب کو تو نظر آتا ہو مگر آپ کی نگاہوں سے مخفی ہو۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں ان لوگوں کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کا جو حشر ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے وہ بھی عالم آشکارا ہے۔ آپ کو ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہو کر اپنا حساب دینا ہے۔ اس بات کو نہ بھولیے اور اسے سوچ کر ہی اپنے لیے کوئی لائحہ عمل از سر نو مرتب کیجیے۔ یہ بات ہمیشہ نگاہ میں رکھیے کہ انقلابی تحریکیں تند و تیز دھارے کی طرح آگے بڑھتی ہیں۔ چند افراد یا گروہوں کے ان میں شامل ہونے سے نہ تو ان کی تندی میں فرق آتا ہے اور نہ ان کا رخ تبدیل ہو سکتا ہے۔ انہیں باقاعدہ ایک عزم اور ارادے کے ساتھ چند مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لیے چلایا جاتا ہے۔ اور ان کی روشنی ہی میں ان کی رفتار، ان کا مزاج اور ان کا طریق کار متعین ہوتا ہے۔ پھر افکار و خیالات کے مخصوص سرچشموں سے ان کو غذا مہیا کی جاتی ہے اور ایک خاص تنظیمی ماحول میں ان کی پرورش ہوتی ہے۔ ان تحریکات کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ چند نفوس یا چند گروہوں کی شرکت ان کے مزاج اور ان کے رخ کو تبدیل کر دیگی،

محض خام خیالی ہے۔ یہ افراد اور گروہ ان پر کیا اثر انداز ہوں گے، خود تنکوں کی طرح ان کے ساتھ بہ جائیں گے اور جو ان کے ساتھ بہنے سے ذرا گریز کریں گے انہیں اس تحریک کی کف بدہن موجیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گی۔

علماء کے ایک گروہ کی یہ غلطی کوئی نئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ اس دلیل سے دھوکہ کھا چکے ہیں کہ اگر انہوں نے باطل مگر عوام کے لیے باعثِ کشش تحریکات کا ساتھ نہ دیا تو عوام حق سے برگشتہ ہو کر باطل کے علمبردار بن جائیں گے۔ جو لوگ حق سے برگشتہ ہو کر باطل کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کا عزم کر چکے ہیں انہیں ان حیلوں سے باز نہیں رکھا جا سکتا بلکہ دینی شکل و صورت کے لوگوں کی ان کی صفوں میں موجودگی باطل کو اپنا بھیانک چہرہ چھپانے اور اپنے ناپاک عزائم کو مقدس بنا کر پیش کرنے کا موقع بہم پہنچا دیتی ہے۔ اس قسم کے عاقبت نااندیشانہ طرزِ عمل کے نتائج تاریخ میں پوری طرح محفوظ ہیں۔ روس میں ملا نور اور اس کے ساتھیوں نے اس دلیل کی بنیاد پر اشتراکی تحریک میں شمولیت اختیار کی۔ آغاز میں عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ان کی بڑی پذیرائی کی گئی۔ انہیں غریبوں اور بے کسوں کا ہمدرد بتا کر ان کی شان میں لمبے چوڑے قصیدے پڑھے گئے۔ اور جن لوگوں نے اس تحریک کے تیور اور مزاج کو بھانپ کر اس سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا، انہیں رجعت پسند اور سرمایہ داروں کے ایجنٹ کہہ کر خوب رسوا اور بدنام کیا گیا۔ لیکن جب اشتراکی انقلاب کامیاب ہوا تو ملا نور اور اس کے ساتھیوں کا جو المناک حشر ہوا اس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ ظالموں نے سب سے پہلے انہی لوگوں کو یہ سوچ کر ختم کیا کہ یہ افراد جو ہمارے ساتھ اس جدوجہد میں شروع سے آخر تک شریک رہے ہیں، یہ چونکہ ہماری کمزوریوں اور ہمارے عزائم کو اچھی طرح جان چکے ہیں اس لیے یہ ہماری راہ میں حائل ہو سکتے ہیں۔ ان کی سابقہ خدمات کی بنا پر انہیں استعمار کا ایجنٹ یا عوام کا دشمن کہہ کر لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا نہ جا سکے گا۔ اس لیے سب سے پہلے ان سے چھٹکارا پانا چاہیے۔ چنانچہ انقلاب کے تھوڑی مدت بعد اپنے خاص گماشتوں کے ذریعے "غریبوں کے ان ہمدردوں" کے خلاف باقاعدہ ایک مہم شروع کی گئی اور ان پر وہی الزامات عائد کیے گئے جن سے بچنے کے لیے انہوں نے اشتراکی تحریک کا ساتھ دیا تھا۔ جگہ جگہ ان کے خلاف

قرار دادیں پاس ہوئیں کہ یہ مولوی عوام دشمن ہیں۔ کیونکہ یہ حلال و حرام کے مسئلے لیے بیٹھے ہیں اور اس وجہ سے انقلابی قوتیں صحیح طور پر کام نہیں کر سکتیں۔ اس لیے انقلاب کے ان چھپے ہوئے دشمنوں کو سب سے پہلے ختم کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بڑی اذیت ناک سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ان عبرتناک تاریخی حقائق کی موجودگی میں ہم جب ان اشتراکیت نواز علماء کی غلط فہمیوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ترس آتا ہے کہ آخر کار جب ان کی آنکھیں کھلیں گی اس وقت ان پر عرصۂ حیات قدر تنگ ہو چکا ہوگا اور "سرمایہ داروں کے ایجنٹوں" سے بھی پہلے ان کی شامت آچکی ہوگی۔

عاقبت اندیش اور دانشمند آدمی وہ نہیں ہوتا جس کی آنکھیں برا انجام دیکھ کر کھلیں بلکہ وہ شخص ہوتا ہے جو معاملات کے رخ سے انجام کو بھانپ لے، اور اس تک پہنچنے سے پہلے اس کے تدارک کی فکر کرے۔ جس اصطلاح کو قرآن مجید نے عبرت سے تعبیر کیا ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے کے حالات و واقعات سے سبق لیا جائے اور اپنے آپ کو بربادی سے بچایا جائے۔ سفید سامراج کی غارت گریوں سے تو آپ بخوبی واقف ہیں اور اس وجہ سے اس کی مخالفت میں آپ بڑے سرگرم ہیں۔ یہ مخالفت بالکل بجا اور درست ہے۔ سفید سامراج نے واقعی مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصانات پہنچائے ہیں۔ لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ سرخ سامراج کے مظالم آپ کی آنکھوں سے اوجھل ہیں؟ اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس وقت تک اس سے براہِ راست سابقہ نہیں پڑا ہے اور اس وجہ سے ہم اسے اپنے اوپر مسلّط کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تو یہ سراسر کوتاہ اندیشی ہے کیا ترکستان اور کاشغر ہم سے بہت دور ہیں؟ کیا بخارا اور سمرقند جسم اسلامی کا کوئی حصہ نہ تھے؟ وہاں اسلام کی بیخ کنی ہوئی اور مسلمانوں کا جو حشر ہوا وہ ہماری آنکھوں کو کھولنے اور ہمارے احساسات کو بیدار کرنے کے لیے کافی نہیں؟ کیا شرقِ اوسط کی حالتِ زار سے ہم کوئی عبرت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں؟ کیا ہم اس حد تک کوتاہ نظر ہو گئے ہیں کہ جب تک خود پاکستان کے باشندوں کو اشتراکیت کے الاؤ میں پھینک کر ان کا حشر نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہمیں اس باطل نظام کی تباہ کاریوں کا یقین نہیں آئے گا۔

(باقی صفحہ ۶۱ پر)

(بقیہ اشارات)

دو تین باتیں ہم اس ملک کے اشتراکیت نوازوں سے بھی کہنا چاہتے ہیں۔ پہلی بات جس پر ہم انہیں سوچنے کی دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس انداز سے وہ اپنی تحریک چلارہے ہیں اور اپنے کارکنوں کے اندر وہ جس سیرت و کردار کی پرورش کر رہے ہیں، اس پر انہیں پوری سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ اگر روس میں وہ غنڈہ گردی اور مار دھاڑ کے ذریعے برسرِ اقتدار آگئے اور عوام کو انہوں نے اپنے آہنی شکنجے میں کس کر خاموش کر دیا تو یہ ضروری نہیں کہ یہاں بھی وہ ان ہتھکنڈوں سے کامیاب ہو سکیں۔ یہاں کے عوام اب پہلے سے زیادہ باشعور ہیں۔ جس طرح روس اجتماعی افکار اور اعمال کے لحاظ سے بے آب و گیاہ زمین تھی، پاکستان میں وہ صورت نہیں ہے۔ یہاں اگرچہ عملاً اسلام کی بہار نہیں آئی مگر لوگوں کے ذہنوں میں اس بہار کا نہایت واضح تصور موجود ہے، اور پاکستان کی عظیم اکثریت اس کی دل و جان سے آرزومند ہے۔ اس ملک کے معاشرتی اور اخلاقی ڈھانچوں میں بھی خدا کے فضل سے اب تک اسلام کا کافی عمل دخل ہے۔ ان حالات میں تشدد کے طریقوں سے تسلط قائم کرنے کی کوشش بہت زیادہ خون خرابے کی باعث تو بن سکتی ہے، مگر آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور اگر بالفرض ایک حادثہ کے طور پر کامیاب ہو بھی جائے تو زیادہ دیر تک برقرار رہ کر مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ مشرقِ اوسط میں آپ کی سازشوں اور کوششوں کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ آپ وہاں اشتراکی تجربے کو تو کامیاب نہیں کر سکے، البتہ یہودیوں سے عربوں کو پٹوانے کا تماشا آپ نے ساری دنیا کو دکھا دیا۔ اگر آپ پاکستان کو محض برباد کرنا چاہتے ہیں تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن اگر آپ یہاں فی الحقیقت اشتراکیت نافذ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ہزار مرتبہ سوچ لینا چاہیے کہ یہ کھیل یہاں کھیلا جا سکتا ہے یا نہیں۔

دوسرے آپ کو اس بات پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ آپ اپنے کارکنوں کی جس انداز

پر تربیت کر رہے ہیں کیا اس سے کسی معاشرے کی تعمیر کا کام لیا جا سکتا ہے؟ تعمیر بڑا صبر آزما اور حکمت و دانائی کا کام ہوتا ہے جس میں بڑی محنت، ریاضت، تدبّر، ضبطِ نفس، ایثار اور غور و فکر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس بنا پر جو تحریکات بھی اپنے سامنے کوئی تعمیری عزائم رکھتی ہیں وہ سب سے زیادہ توجہ اپنے کارکنوں کی سیرت سازی پر دیتی ہیں کیونکہ مثبت انسانی صفات کے پرورش پائے بغیر تعمیر کا کوئی مرحلہ طے نہیں کیا جا سکتا۔ آپ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ نوجوانوں کے اندر جو تخریب پسندانہ ذہنیت اور جو گھٹیا بازاری مذاق پیدا ہو رہا ہے۔ وہ کل آپ کے لیے بھی تکلیف کا باعث بن سکتا ہے۔ گالی گلوچ، ہنگامہ آرائی، افترا پردازی اور دھینگا مشتی سے کس قسم کا ضبطِ نفس پیدا ہو گا؟ اور ان "فنون" میں مہارت حاصل کرنے والے افراد کل کسی تعمیری منصوبے کو کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں گے؟ اگر آپ کے پیشِ نظر تخریب کے ساتھ کوئی تعمیر بھی ہے تو پھر آپ کو اس صورتِ حال پر غور کرنا چاہیے۔

تیسری بات ہم آپ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب آپ اس ملک میں اشتراکیت نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اسی مقصد کے لیے آپ کوشاں ہیں تو پھر سیدھی طرح سامنے آئیے اور اپنے مقصد کو صاف صاف بیان کیجیے۔ یہ "اسلامی مساوات" اور "محمدی نظامِ معیشت" اور "قرآنی نظامِ ربوبیت" کی باتیں جو آپ کر رہے ہیں یہ کھلی دھوکہ بازی ہے۔ آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی فریب کاریوں سے آپ عوام کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ممکن ہے کہ آغاز میں آپ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو جائیں۔ مگر جب بلّی تھیلے سے باہر آئے گی (اور وہ آ رہی ہے) تو آپ کے لیے بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ مکر و فریب کی پالیسی سے لوگوں کے اندر ذہنی انتشار اور عمل کا تضاد پیدا ہو گا جو بالآخر آپ کے لیے موجبِ پریشانی ہو گا۔ دو بالکل متضاد اور متصادم نظامہائے حیات آپ کس طرح نافذ کر سکیں گے؟ ابتدا میں عوام کو دھوکہ دے کر کچھ دُور آپ اپنے ساتھ چلا بھی لے جائیں، تو آخری مرحلے میں جب آپ اسلام کو تیاگ کر اور اشتراکیت کے معاملے میں یکسو ہو کر کوئی کام کرنا چاہیں گے تو جن لوگوں کو اسلام کے نام پر دھوکہ دے کر آپ نے اپنے ساتھ ملایا ہے اُن سے کس طرح گلو خلاصی کرا سکیں گے؟